Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities

(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English
ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)
Home Page: http://www.arjish.com
Approved by HEC in "Y" Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan
Website: www.arjish.com

Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020
This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International License

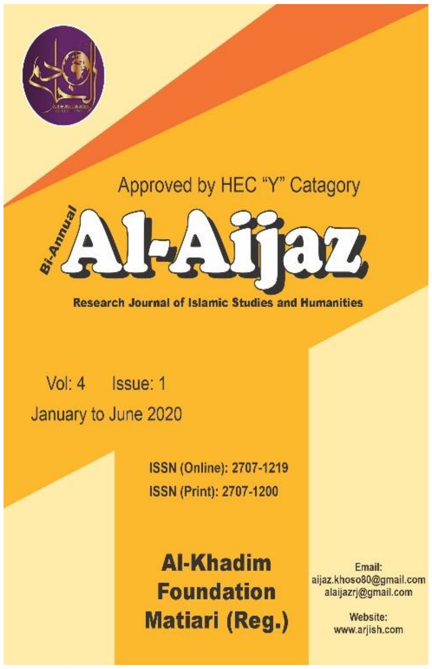

TOPIC:

Female Status in Semetic Religions A Comparative Critical Research Study

AUTHORS:

1. Rozena Hussain Shah, Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. College University, Faisalabad.
2. Umar Haya, Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govt. College University, Faisalabad.

How to cite:
Shah, R. H., & Hayat, U. (2020). U-19 Female Status in Semetic Religions A Comparative Critical Research Study. *Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities* , *4*(1), 276-290.
https://doi.org/10.53575/u19.v4.01.276-290
URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/127

Vol: 4, No. 1 | January to June 2020 | Page: 276-290

Published online: 2020-06-30

QR Code

سامی مذاہب میں عورت کا مقام (تحقیقی و تنقیدی اور تقابلی مطالعہ)

Female Status in Semetic Religions A Comparative Critical Research Study

Rozena Hussain Shah*
Umar Hayat**

Abstract
"Human life and society comprises man and woman in general. Both are equal to each other being human being having equal rights and responsibilities being with in their natural limits. But the ground reality is quite different and bitter. The mankind especially the women folk have been exploited for a long time due to which society got imbalanced. The need is to probe the issue in the light of different religious teachings especially the semetic religions to know the actual status of women folk and to analyse that what of the semetic religions gives them their proper status in society by protecting their basic rights accordingly. This is the basic theme lying in the article."
Keywords: human being, human rights, women folk, semetic religions

نسل انسانی حقیقت میں دو اصناف جنس ہیں، یعنی مرد اور عورت۔ یہ فطرت کا تقاضا اور خالق کائنات کا فیصلہ ہے۔ جس سے انحراف کی گنجائش نہیں۔ یہ دونوں اصناف لازم و ملزوم حیثیت سے انسانی معاشرے کو بنیادی اکائی یعنی خاندان فراہم کرتے ہیں، جسے عائلی زندگی کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں مذہبی رہنمائی کی ضرورت ہے اس لیے کہ مذہب ہی حقیقت میں اصل رہنمائی کا ماخذ ہے۔اس ضمن میں خاص طور پر سامی مذاہب میں مطالعے کی ضرورت ہے جو کہ دوسرے ادیان کی نسبت معتبر ہیں۔ان کی اصل تعلیمات میں حقوق انسانی کی ضمانت دی گئی ہے اور عورت کے مقام کو بھی ان ہی کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

جب ہم عالم مذاہب پر نظر دوڑاتے ہیں تو تین بڑے مذاہب (یہودیت، عیسائیت، اسلام) نظر آتے ہیں۔ یہ تینوں مذاہب سامی مذاہب سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اگر ان مذاہب کی روشنی میں خواتین کے مقام و کردار کو دیکھا جائے تو غیر سامی مذاہب کی نسبت سامی مذاہب میں عورت کا کردار قوی نظر آتا ہے، مگر انسانوں نے اس کے اندر بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ماسوائے اسلام باقی دونوں مذاہب، یہودیت اور عیسائیت کی الہامی کتابوں میں اس قدر تحریف ہوئی ہے جس کا اعتراف خود ان کے علماء نے کیا ہے۔ عورت کے جائز مقام کی حق تلفی کرتے ہوئے اسے ذلت، پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا گیا۔ وہ حقوق جو اسے اس کائنات کے مالک نے ازل سے دیے تھے ان حصول کی تگ و دو کے لیے وہ آج تک کاوشیں رہی ہے۔ دور قدیم میں دیکھا جائے تو سامی مذاہب میں بھی برتری نہ صرف مرد کو حاصل رہی ہے۔ بلکہ عورت بطور خدمت گار، غلام اور افزائش نسل کے لیے استعمال ہوتی رہی ہے۔ اسلام غیر منصفانہ تقسیم کا داعی نہیں ہے۔اسلام نے اس تفریق کو ختم کر

*Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. College University, Faisalabad.
**Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Govt. College University, Faisalabad.

دیا۔ اسلام نے نہ تو عہد جدید کی طرح خواتین کو مردوں کے برابر کھڑا کیا اور نہ عورت کا رتبہ کسی لحاظ سے بھی کم کیا بلکہ ان دونوں کے لیے الگ الگ دائرہ کار مقرر کرتے ہوئے انہیں برابری کے حقوق عطا کیے ہیں اور دائرہ کار الگ الگ رکھتے ہوئے بھی ان کو آپس میں جوڑے رکھا ہے۔

یہودیت میں عورت کا مقام:

یہودی مذہب قدیم ترین تاریخ کا حامل ایک الہامی مذہب ہے۔ یہودی نبی موسیٰؑ کے پیروکار ہیں۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب قرآن مجید کے مطابق اہل کتاب ہیں۔ اس مذہب کے بہت سے عقائد و نظریات ہیں، جس میں ایک نظریہ عورت کی ذات کا ہے جسے انتہائی پست گردانا گیا ہے۔ اس کے مقام و مرتبہ کا انکار کرتے ہوئے اسے نسل انسانی کی دشمن، گناہوں کی جڑ اور فسادی قرار دیا گیا ہے۔ یہودی عقائد میں یہ نظریہ بہت پختہ ہے کہ عورت سے ہی سب سے پہلا جرم سرزد ہوا۔ اس نظریے کی وجہ سے وہ عورت کو محکوم اور مرد کو حاکم مانتا ہے۔ یہودیوں کی قدیم کتاب میں ہے جب عدن میں مرد اور عورت نے خدا کے چلنے کی آواز سنی، تو وہ دونوں اشجار کے پیچھے پوشیدہ ہو گئے تو رب کریم نے ان کو ندا دی تو وہ بولے کہ ہم آپ کی آواز سنتے ہیں اور ہم خوفزدہ ہیں کیونکہ ہم بے لباس ہیں اور یہی ہماری چھپنے کی وجہ بھی ہے۔ خداوند! نے پوچھا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم برہنہ ہو؟ کہیں تم لوگوں نے اس درخت کا پھل تو نہیں کھایا؟ جس کے کھانے سے تمہیں منع فرمایا تھا۔ آدمؑ نے احتراماً عرض کیا کہ جس دوسری جنس کو آپ نے پیدا فرمایا ہے اسی نے مجھے یہ ممنوع پھل کھلایا ہے۔ خالق کائنات نے اس صنف نازک سے کہا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو وہ بولی کہ سانپ نے مجھے راستے سے بھٹکا دیا تھا۔ پھر خدا نے آدم کی روح حوا سے کہا میں تیرے بچہ جننے کی تکلیف کو بڑھا دوں گا۔ تیرا رجحان تیرے شوہر کی طرف ہو گا اور وہ تیرا حکمران اور حاکم ہو گا۔[1]

یعنی آدمؑ کو بی بی حواؑ نے بہکایا جس وجہ سے ان سے جرم سرزد ہوا اور یہی وجہ ہے مرد کی عورت پر حاکمیت اور اس کا کمتر درجہ اور حمل، ولادت کی تکالیف عورت کا مقدر ٹھہری ہیں۔

مرد کے لیے عبرانی زبان میں لفظ "ایش" لکھا جاتا ہے اور شوہر بیوی کا مالک تصور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے نکاح سے پہلے باپ اور بعد میں خاوند اس کا مالک کل قرار پاتا ہے۔[2] یہودیت میں خواتین کو ایسی عبادات سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو کہ مخصوص اوقات میں کی جاتی ہیں۔ اس میں وہ یہ حکمت بتاتے ہیں کہ ان اوقات میں وہ اپنے بچوں کی خصوصی نگہداشت اور پرورش کرے۔ عورت کے کردار پر مچل جے برائیڈ (Michael JBoroycle) تحریر کرتے ہیں:

"Women as conceived by rabbinic Judaism, above all, are to attend to their children - consequently they are exempt from time bond ritual obligations."[3]

(ربیک یہودیت میں عورتوں سے صرف اولاد کے حصول کے لیے شادی کی جاتی تھی۔۔۔ جس وجہ سے یہ ہمیشہ ادا کرنے والے فرائض سے مستثنی قرار دی جاتیں تھیں۔)

یہودی مذہب میں گو کہ شادی کو ایک مضبوط رشتہ سمجھا جاتا ہے مگر شادی صرف افزائش نسل اور گھر کی دیکھ بھال کے لیے کی جاتی ہے۔ یعنی صرف خاوند کی خدمت اور پیدائش اولاد کے لیے اور اگر شادی کے بعد کوئی اولاد نہیں ہوتی تو وہ مرد بغیر کسی اجازت کے دوسری شادی کر سکتا ہے اور چاہے تو پہلی زوجہ کو گھر بدر کر دے۔

اس ضمن میں مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں کہ یہودی مذہب کی تعلیمات میں مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے عورت کی معمولی سی غلطی پر اسے گھر سے نکال دے۔[4]

یہودی مذہب میں شادی کے معاملے میں خواتین کو رائے کا حق نہیں دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ عقد ثانی والی عورت بھی صرف اپنے خاوند کے بھائی سے ہی نکاح کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کہیں نکاح نہیں کر سکتی۔ یہودی مرد ایک وقت میں کئی کئی عورتوں سے شادی کر سکتا تھا یعنی کثرت ازواج کی حد بندی نہیں تھی۔ امیر علی لکھتے ہیں کہ نبی موسی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے ہی بنی اسرائیل میں زیادہ تعداد میں ازواج کا رواج عام تھا اور نبی موسیؑ نے اسے تبدیل نہیں کیا۔ یہاں تک کہ یہودی مرد ایک وقت میں کئی خواتین کو اپنے ساتھ رشتہ ازواج میں منسلک رکھ سکتا تھا۔[5]

اس مذہب میں عورت ہمیشہ مرد کی غلام اور اس کے زیر اثر رہی ہے۔ بغیر مرد کی مرضی کے اسے کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں۔ کسی قسم کا آزادی اظہار رائے کا حق حاصل نہ ہے۔ مرد جب چاہے اسے اپنی زندگی سے الگ کر دے اور گھر سے باہر نکال دے۔ عورت کو علیحدگی کا اختیار حاصل نہیں۔ کتاب مقدس میں ہے اگر مرد کسی خاتون کے ساتھ رشتہ ازواج میں منسلک ہوتا ہے تو بعد میں اس مرد کی نگاہ میں عورت کی اہمیت نہ ہو اور اس میں کچھ کوتاہی یا ناپاکی پائی جائے تو اس کو چھوڑ دے اور گھر سے بے دخل کر دے۔ عورت کے لیے طلاق کا طلب کرنا حرام ہے، جائز نہیں ہے۔ اگرچہ اس کا شوہر بے پناہ عیب کا مالک ہو۔[6]

سید جلال الدین عمری کے مطابق یہودی مذہب میں عورت کو دوسری شادی کا حق نہ تھا۔ یہودی قانون کی رو سے اگر بطور وارث موجود ہے تو اس کی موجودگی میں لڑکی حق جائیداد سے فارغ ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی عورت کو عقد ثانی کے حق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح عورت کو دوسری شادی کا حق بھی نہیں دیا گیا۔[7] اس بات مزید وضاحت مولانا شبلی نعمانی اس طرح کرتے ہیں کہ یہودی مذہب میں بیوہ عورت ایک بھائی کے مرنے کے بعد اس کے دوسرے بھائی کی ملک ہو جاتی تھی وہ جس طرح چاہتا اس سے معاملہ کر سکتا تھا۔ زن و شوئی کے تعلق میں

عورت کی خواہش کا احترام نہ تھا بلکہ اس کی حیثیت ایک بے بس لاچار انسان کی سی ہوتی تھی۔[8]

محمد عبد الرحمن یہودی مذہب میں عورت کے حق طلاق اور حق مہر کو احاطہ تحریر میں لاتے ہیں کہ یہودیت میں حق طلاق صرف مرد کو حاصل رہا ہے۔اس مذہب میں خاتون کا مہر بھی ہے مگر یہ اس کا کوئی قانونی یا معاشی حق نہیں ہے جس کو بہت زیادہ اہمیت دی جائے۔[9]

یہودی مذہب میں حق مہر کی طرح عورت کے حق میراث پر بھی کچھ خاص عمل نہ ہوتا تھا اگر اس کو کوئی حق دیا گیا تو صرف اس قدر کہ اس کی گزراوقات ہو سکے۔وراثتی نظام بیٹا اولین حقدار پڑتا ہے۔لڑکوں میں موجودگی میں لڑکیوں کا کوئی حق وراثت نہ تھا۔نکاح یا بغیر نکاح کے پیدا ہونے والی اولاد میں کوئی تمیز نہ تھی۔سب کو برابر کا حصہ ملتا تھا۔[10] بیٹوں کی موجودگی میں بیٹی وراثت کی حق دار نہ تھی لیکن غیر شادی شدہ بیٹوں کا باپ کی وراثت میں نفقہ کا حق حاصل تھا۔[11]

انسائیکلوپیڈیا (Encyclopedia Biblica) میں عورت کی وراثت کے بارے میں ہے:

"The right of inheritance among the Israelits belonged only to agnates. The only relations in the strict sense of the world the wife's relations belong to a different family or even to a different tribe. Only son's not daughters, still less wives can inherit. There are traces to show that in the earliest times the wives, as the property of the man, fell to his their along with rest of his estate a custom which among the Arabs continued to hold even to Muhammad's time."[12]

(ورثہ کا حق یہودیوں کے نزدیک صرف باپ کی طرف سے سگے افراد کے لیے ہے۔کسی اور خاندان حتیٰ کہ کسی اور قبیلے سے بیوی کے انتخاب میں بھی سختی برتی جاتی تھی۔وراثت کے حق دار صرف بیٹے ہوتے ہیں بیٹیاں نہیں تاہم کچھ حصہ وراثت میں سے بیویاں گزر بسر کے لیے لے کر سکتی ہیں۔کچھ آثار اور قرائن ایسے بھی پائے جاتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی وقتوں میں یہودی مذہب میں بھی عورتوں کو بھی ملکیتی سامان کی طرح تقسیم کیا جاتا تھا۔۔۔اس طرح کا رواج محمد ﷺ کے وقت میں (غیر مسلم) عرب لوگوں میں پایا جاتا تھا۔)

اسی انسائیکلوپیڈیا میں یہودیوں کے قبائل کے علاقائی رسوم کو تفصیلاً لکھا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کے قبیلے کی عورت اپنے باپ کے قبیلے کی مرد کے ساتھ ہی شادی کرے گی کیونکہ اس کے قبیلہ میں یہ لازم امر ہے کہ وہ وراثت صرف اپنے قبیلہ میں ہی رکھے۔اس دستور کی وضاحت Encyclopedia Biblica میں اس طرح کی گئی ہے:

"The later law exhibits a change only with respect to the inheritance of daughters, conferring upon these the right to inherit, in the absence of sons. The inheriting daughters are enjoined to marry only with in their father's tribe. So that the family estate may next pass to any outside family."[13]

(بعد میں آنے والے وراثت کے قانون میں بیٹیوں کے وراثت کے حوالے سے تبدیلی کی گئی ہے اگر اولاد میں بیٹے نہیں ہیں تو اس صورت میں بیٹیاں حق دار جائیداد کی حق دار ہوں گی۔ وراثت میں حصہ پانے والی بیٹیوں کو اپنے والد کے رشتہ داروں میں ہی نکاح کرے گی تاکہ خاندانی جاگیر دوسرے خاندان میں منتقل نہ ہو۔)

یہودی قانون میں ماں اولاد کی وراثت سے محروم رہتی تھی جبکہ اولاد ماں کے ترکہ کے وارث جانے جاتے تھے۔ اولاد نہ ہونے کی صورت دوسرے ورثا حق دار بنتے ہیں۔[14]

یہودیت کے قانون وراثت کے بارے میں عبدالوہاب ظہور تحریر کرتے ہیں کہ جو یہودیوں کا وراثتی نظام ہے اس میں بیٹی کا درجہ بیٹے کے بیٹوں کے بعد کا ہے۔ اگر کسی مرنے والے کا لڑکا نہیں ہے تو جائیداد کا حق دار اس کا پوتا ہے۔ بیٹے کا بیٹا نہ ہو تو بیٹی وراثت کی حق دار ہو گی۔[15]

یہودی قانون میں عورت کے وجود کو ناپاک اور وجہ معصیت قرار دیا ہے۔ ان کی شریعت میں عورت کو حق خلع، شہادت وراثت میں کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ وصیت اور شہادت کے اہل نہیں جانی جاتی۔ عبدالقیوم ندوی لکھتے ہیں کہ یہودی شریعت میں مرد اور عورت کے حق مساوات کی بات تو دور کی ہے بلکہ آدمی کو لازم ہے کہ وہ اپنی زوج پر ہر طرح خود کو بہتر ثابت کرے۔ گناہ کا پہلا ارتکاب چونکہ عورت سے ہی ہوا تھا اس لے وہ ہمیشہ شوہر کی تابع رہے گی اور اس کی باندی رہے گی اور شوہر اس کا مالک و مختار رہے گا۔[16] عائلی نظام کے بارے میں کتاب مقدس میں لکھا ہے اگر بہت سارے بھائی اکٹھے رہتے ہیں اور کوئی ایک اگر لاولد اس دنیا سے چلا جاتا ہے تو اس کی بیوی صرف اپنے مرحوم شوہر کے بھائی سے ہی شادی کرے گی جو کہ خاوند کے برادر کا حق ہے اور پھر جو خاوند سابقہ کے بھائی سے اولاد ہو تو اسے مرحوم شوہر سے ہی موسوم کیا جائے گا تاکہ اس کا نام اسرائیل نسل سے ختم نہ ہو جائے۔[17]

یعنی کے یہودیوں کے خاندانی طریقہ میں کہ ہر وہ انسان جو اس جہان میں پیدا ہو جاتا ہے اس کا نام بنی اسرائیل میں ہمیشہ رہے۔ عورت بیوہ ہو جانے کے بعد صرف مرحوم خاوند کے بھائی سے ہی عقد کر سکتی ہے دوسرے مرد سے نہیں۔ یہودی معاشرہ میں عقائد نظریات تفصیلاً پیش کیے گئے لیکن عورت کی اہمیت اور حق کو غصب کیا گیا ہے۔ نہ حق شہادت، نہ وراثت میں حق غرضیکہ کوئی معاشرتی حق عورت کو نہیں دیا گیا اور ہر جگہ اس کا مقام رتبہ کو گرایا گیا ہے۔ عورت کی حیثیت کو ''تمدن عرب'' میں اس طرح تحریر کیا گیا ہے:

''گھوڑا چاہے اچھا ہو یا برا اسے مہمیز کی ضرورت ہے اور عورت اچھی ہو یا بری اسے مار کی ضرورت ہے۔''[18]

یہودیت میں بیان کردہ روایات کے مطابق مرد کے وجود سے عورت نے جنم لیا جس بنا پر وہ درجہ دوم میں شمار ہوتی ہے۔ گناہ کی بنیادی اکائی عورت ہے۔ جنت سے نکالے جانے کی وجہ بھی عورت کو ٹھہرایا گیا اس کو گنہگار اور مکار ثابت کیا گیا۔ عورت کو مرد سے کم درجہ میں ثابت کر

کے اسے ایک بے یقینی کی فضا میں دھکیل دیا گیا جہاں پر وہ آج تک اس بداعتمادی کی فضاؤں میں سانس لیتے ہوئے اپنے حقوق کے حصول کی جنگ لڑ رہی ہے۔

عیسائیت میں عورت کی حیثیت:

عیسائی معاشرہ بھی یہودی معاشرہ کی طرح ہی تھا۔ اس میں بھی عورت کو محکوم اور مرد کو حاکم تصور کیا جاتا تھا۔ خواتین کو صرف مرد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے رکھا جاتا تھا۔ عیسائی معاشرہ میں اس کو ناپاک، نجس اور فسادی قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ ابتدا میں کلیساؤں کا بنیادی نظریہ کچھ اس طرح سے تھا کہ عورت گناہ کا منبع ہے تمام برائیاں عورت کے وجود سے پھوٹتی ہیں۔ گناہ کی تحریک دینے والی عورت ہی ہے۔ عورت جہنم میں لے جانی والی ہے۔ انسانی وجود پر تمام تر مصیبتوں کا آغاز اسی کے وجود سے ہوا ہے۔ عورت کا وجود خود اس کے لیے باعث شرم ہے۔ عورت شیطان کی آلہ کار ہے اور اپنے حسن و جمال سے دوسروں کو گناہ پر آمادہ کرتی ہے۔ اسے ہمیشہ اپنے گناہوں پر شرم سار رہنا چاہیے اور ان کے لیے کفارہ ادا کرنا چاہیے کیونکہ وہی تو ہے جو دنیا پر معصیت اور گناہ کی لعنت لے کر آئی ہے۔[19] ترتولیاں (Tertullian) عیسائیوں کا ابتدائی دور کا مبلغ تھا اس کے مطابق عورت وہ دروازہ ہے جہاں سے شیطان داخل ہوتا ہے۔ وہ اس درخت کی طرف لے جانے والی جس طرف خدا نے جانے سے منع کیا تھا وہ رب کائنات کے بنائے ہوئے قانون کو توڑنے والی ہے۔"[20]

بائبل کے مطابق عورت کی وجہ سے ہی حضرت آدمؑ کو عدن سے نکالا گیا اس کو شیطان نے راستے سے بھٹکا دیا اور یہ گناہ کر بیٹھی اور یہ گناہ اس نے آدمؑ کو منتقل کیا۔ اس گناہ کی سزا بقول بائبل عورت کو یوں سنائی گئی کہ اے عورت کہ جب تو بچہ جنے گی تو بہت تکلیف میں مبتلا ہو گی اور تیرا دردِ حمل بہت زیادہ ہو گا اور تیرا شوہر تیرے اوپر حاوی ہو گا اور وہ ہی تیرا مالک ہو گا۔[21]

بائبل میں عورت کو مکاری و عیاری کا آلہ کار قرار دیا ہے۔ بائبل میں ایسی عورتوں کی طویل فہرست ہے جنہوں نے اپنی مکاری سے کام لیتے ہوئے دوسروں کو دھوکہ دیا ہے۔ عورت اس قابل نہیں کہ کلیسا میں مذہبی تعلیم حاصل کر سکے بلکہ اس کو حکم ہے کہ خاموشی اختیار کرے۔ عورتیں کلیسا کے مجمع میں خاموشی کو اختیار کریں۔ کیونکہ تورات کے مطابق وہ مردوں کی تابع ہیں اگر کچھ ہنر، فن جاننا چاہیں تو اپنے گھروں میں رہ کر اپنے مردوں سے سیکھیں۔ خواتین کا چرچ کے مجمع عام میں بولنا شرم کا باعث تھا۔[22]

عیسائیت کی کتاب استثناء کے مطابق عورتوں کو فسخ نکاح کے حق سے محروم رکھا گیا ہے البتہ شوہر بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ اس بارے میں لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی خاتون سے شادی کرتا ہے اور پس پردہ اس عورت سے کوئی ایسی بری یا بے حیائی والی بات کو پائے اس کو عورت کی طرف رغبت یا الفت نہ رہے تو وہ اسے طلاق دے دے اور گھر سے نکال رہے۔[23]

عیسائیت میں خاتون اپنے پہلے شوہر سے حلالہ نہیں کر سکتی بلکہ عہد نامہ جدید میں تو یہ تک ہے کہ اگر کوئی عورت طلاق لے کر دوسرے شخص سے نکاح کرتی ہے تو دراصل وہ زنا کرتی ہے۔ یعنی کے بیوی سے علیحدگی کر کے دوسری شادی کرنا ایسا ہے جیسے کے وہ زنا کار ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو وہ بھی زنا جیسا گناہ کرے گی۔[24]

عیسائیت میں عورت کا حق میراث نہیں ہے اور بیوہ تو ہر حال میں اس سے محروم ہے۔ عیسائیت میں عورت کے وجود کو اس طرح سے پستی میں گرایا گیا کہ مسیحیت سے متاثر ہونے والے عورت کو شریک حیات بنانے کی بجائے تجرد کی زندگی کو ترجیح دینے لگے اور خداوند کی قربت کے لیے عورت سے تعلق توڑنے کو قابل فخر سمجھنے لگے۔ لوگ کنوارہ رہنے کو پاکیزہ گردانںے لگے ان کے اندر اخلاق کا معیار تجرد ٹھہر گیا رشتہ ازواج میں منسلک ہونا ان کے لیے اخلاقی اعتبار سے نہایت پست گردانا جانے لگا اور لوگ شادی کے نام سے بھاگنے لگے اور یہ سمجھنے لگ گئے کہ اگر زندگی کو پاک صاف رکھنا ہے تو آدمی نکاح نہ کرے اور اگر کہیں نکاح ہو گیا ہے تو شوہر اور اس کی زوجہ آپس میں ازواجی تعلقات قائم نہ کریں۔[25]

گویا مسیحی معاشرے میں عورت کو قابل عزت مقام نہ دیا گیا خلاصہ کلام یہ کہ ''جہاں عورت کو سانپ کا زہر، اژدھے کا کینہ، بچھو کا زہر اور سانپ کے نیزے سے تشبیہ دی گئی ہو۔''[26] اس نظریہ اساس پر عورت کی سماجی زندگی کی تشکیل کیسے ہو سکتی ہے۔

عرب معاشرہ میں عورت کی حیثیت:

جزیرہ نما عرب تاریخ میں ''عہد جاہلیت'' سے جانا جاتا ہے۔ جہل، اکھڑ پن ان کا سرمایہ فخر و مباہات تھا۔ اسی اکھڑ پن اور جہالت پر فخر کرتے ہوئے ایک جاہلی شاعری عمرو بن کلثوم کہتا ہے:

''الا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجا ھیلنا''[27]

(خبردار ہم سے کوئی اکھڑ پن (جہالت) نہیں کر سکتا۔ اگر کرے گا تو ہم جاہلوں سے بھی زیادہ جہالت دکھا سکتے ہیں۔)

علامہ ابن خلدون اپنے تاریخی مقدمہ میں ایک مستقل فصل اس بارے میں قائم کی ہے کہ عربوں کی طبعی و نسلی خصوصیات علوم و حکمت کے لیے سازگار نہیں تھیں۔ اس فصل کا عنوان مضمون کا آئینہ دار ہے:

''فصل فی ان العرب بعد الناس عن الضائع والیب فی ذلک انھم اعرق فی البد وابعد عن العمران العضری ومایدعوالیہ من الضائع''[28]

(فصل اس بات میں کہ عرب نوع انسان میں علم و ہنر میں سب سے زیادہ امیر ہیں اور اسی سبب سے وہ سب جنگلی پن میں راسخ ہیں اور شہری

تمدن اور اس کے لوازم سے سب سے زیادہ دور ہیں۔)

عرب تہذیب و تمدن میں انسانوں میں عورت اور غلام کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ان کے حقوق تو دور کی بات ان کو شاید انسان بھی نہ سمجھا جاتا ہے۔ غلاموں کی طرح عورت کی زندگی تھی اور عورت کے وجود کو ہی وراثت سمجھا جاتا تھا۔ یہ صنف بھیڑ بکریوں کی طرح بکتی تھی۔

جب عربوں میں بیٹی پیدا ہوتی تو وہ دن ان کے لیے تاریک ثابت ہوتا اور وہ غم زدہ ہو جاتے اور بیٹا پیدا ہونے پر فخر سے سینہ چوڑا کرتے۔ لڑکی کا پیدا ہونا ان کے لیے باعث شرمندگی تھا۔ قرآن مجید میں ان کے جذبات کی عکاسی یوں کی ہے:

''ویجعلون لله البنت سبحنه ولهم ما یشتهون واذا بشر احدهم بالانثی ظل وجهه مسودا وهوکظیم''[29]

(اور جب ان میں کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی تو اس کا چہرہ غم کے سبب سیاہ پڑ جاتا اور اس کے دل کو دیکھو تو اندوہ ناک ہو جاتا اور ذلت کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دیا جائے یا زمین میں دفنا دے۔)

بعض عرب قبائل یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ فرشتے رب کائنات کی بیٹیاں ہیں۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے جبکہ دوسری طرف باعث ذلت بھی تصور کرتے تھے اور نجات حاصل کرنے کے لیے زندہ درگور کر دیتے تھے اور بیٹیاں پیدا کرنے کے جرم میں شدید ذہنی کرب سے دوچار کرتے۔ ایک عورت اپنے شوہر کی بے رحمی کا تذکرہ یوں کرتی ہے:

''مالائی حمزه لایتنا غضبان الانلد البنینا یظل والبیت الذی یلینا وانما نا خذ ما اعطینا''[30]

(کہ میرے خاوند ابوحمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اب وہ میرے گھر نہیں آتا اور ساتھ والے گھر میں رہتا ہے وہ اس لیے غضبناک ہے کہ ہم نے اولاد نرینہ کیوں نہیں جنی (اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟) ہم تو وہی لیتی ہیں جو ہمیں دیا جاتا ہے۔)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

الله ان کنا فی الجاهلية مانعد للنساء امراً، حتی انزل الله فیهن ما انزل، وقسم لهن ماقسم[31]

(بخدا ہم عہد کفار میں خواتین کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ رب کریم نے ہم پر اپنی ہدایات نازل کیں اور ان کا جو بھی وراثت میں حصہ تھا اس کو لازم کر دیا۔)

جزیرہ عرب میں قبل از اسلام عورت کو گواہی دینے کا کوئی حق حاصل نہ تھا اور نہ اپنی شادی کے بارے میں وہ کوئی حق رکھتی تھی۔ بیویوں کی تعداد متعین نہ تھی۔ حارث بن قیس اسدی مسلمان ہوئے تو ان کی آٹھ بیویاں تھیں۔[32] غیلان بن اسلم ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ آپ ﷺ نے انہیں صرف چار ازواج رکھنے کا حکم دیا اور باقیوں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔[33]

اہل عرب طلاق دینے کو برا نہ جانتے تھے ابھی عدت ختم نہ ہوتی تو رجوع کر لیتے اور عورت ہمیشہ اس سولی پر لٹکتی رہتی تھی۔[34] باپ کی بیوی سے بیاہ کر لینا عام رواج تھا۔ صحابی سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہادت کے رتبے پر فائز ہوئے تو اس کی ایک بیوی اور دو بیٹیاں تھیں لیکن ان کے پورے مال پر لڑکیوں کے چچا قابض ہو گئے۔ اس وقت سورۃ النساء کی آیات اتریں، آپ ﷺ نے بچیوں کے چچا کو بلا کر فرمایا: بچیوں کو دو حصے، ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو پیچھے رہ جائے وہ تم لے لو۔[35]

بعض اوقات عرب میں خواتین کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہو جاتا تھا۔ مگر زیادہ تر عورت کا کردار کم تر رہا ہے۔

اسلام میں عورت کا مقام:

اسلام میں بنیادی حقوق کا تصور اتنا ہی پرانا ہے جیسا کہ خود انسان۔ انسانی پیدائش کے ساتھ ہی رب کائنات نے اس کے حقوق بھی عطا کر دیے تھے جیسا کہ قرآن انسانی ہدایات کا منبع اور سرچشمہ ہے اور جو تعلیمات احکامات نازل ہوئے وہ زن اور شوہر دونوں کے لیے ہیں۔ قرآن مجید میں عورت کے حوالہ سے پہلا تذکرہ حضرت آدم اور ان کی زوجہ حضرت حواؑ کے حوالہ سے آیا ہے۔ جس میں عورت کو یہودیت اور عیسائیت میں گناہ کی جڑ قرار دیا گیا ہے لیکن اسلام نے ممنوعہ پھل کھانے کا ذمہ دار صرف عورت کو نہیں ٹھہرایا بلکہ مرد آدمؑ اور حواؑ دونوں برابر کے شریک تھے اور دونوں سے یہ خطا سرزد ہوئی تھی جس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

"و قلنا یا دم اسکن انت و زوجک الجنة و کلا منها رغدا حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظلمین"[36]

(اور ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری زوج عدن میں رہو اور اس میں سے جہاں سے دل کرے کھاؤ۔ اور اس شجر کے نزدیک مت جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر شیطان نے دونوں کو بھٹکا دیا اور وہ خطا کے مرتکب ہوئے اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔)

آیت مبارکہ پر غور کریں تو اس میں مرد اور عورت دونوں کو خطاوار ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن عورت کے لیے تکلیف، دردزہ اور خاوند کا عورت پر حکومت کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی اسلام کے مطابق عورت ازلی گناہ گار ہے۔

اللہ اور اس کے پیغمبر محمد ﷺ نے قیام امن و سلامتی کی خاطر معاشرے کے اہم جز بلکہ نصف جز کی حیثیت کو واضح کیا اور اس کو بھی وہی درجہ عطا کیا جو کہ اس کے مدمقابل صنف مرد کو حاصل ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ البقرہ میں ہے:

"و لهن مثل الذی علیهن بالمعروف و للرجال علیهن درجة"[37]

(اور عورتوں کے مردوں پر) اسی طرح حقوق ہیں جس طرح (مردوں کے) عورتوں پر حقوق ہیں، البتہ مردوں کو ان پر برتری حاصل ہے۔) یہ نظام برتری کا اس لیے ہے تاکہ نظم و نسق برقرار رکھے۔ بالحاظ قوت مرد عورت سے زیادہ قوت والا ہوتا ہے تو توانائی بنیادی چیز ہے، اس لیے

اللہ تعالی نے اسے حاکم بنایا تاکہ خاندان کا نظام احسن طریقے سے چل سکے۔

زندہ رہنے کا حق:

تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں خواتین کی توقیر اور قدر نہ تھی اور ضرورت کی حد تک التفات برتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جزیرہ عرب میں پیدائش کے ساتھ ہی زندہ در گور کر دیا جاتا تھا نہ کوئی زندگی تھی نہ زندہ رہنے کا حق تھا۔ پھر اسلام کا سورج طلوع ہوا اور اس نے اس صنف نازک کو زندگی کی نوید دی اسے زندہ رہنے کا حق دیا۔ قرآن مجید میں اس بات کی سخت وعید دی گئی کہ جو شخص اس بات سے انکار کرے گا بروز محشر اس کا سخت احتساب ہو گا۔ اس بات کو قرآن اپنے الفاظ میں یوں واضح کرتا ہے:

'' واذا الموءدة سىٕلت باي ذنب قتلت''[38]

(اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں ماری گئی)

اللہ تعالی نے اس آیت مبارکہ میں لڑکیوں کے ساتھ کی گئی زیادتی کے بدلے میں جہنم میں جانے کی سزا سنائی ہے۔ دوسری طرف اولاد کے ساتھ عمل صالح کرنے پر جنت کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے:

''من كانت له انثى غلم ليد ها ولم فيهما يهنها ولم يوثر ولده عليها يعنى الذكور، يدخله الله الرجنة''[39]

(جس انسان کے کوئی بیٹی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقہ پر زندہ دفن نہیں کی اور نہ اس کو حقیر جانا اور نہ لڑکوں کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دی، تو اللہ تعالی ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا۔)

اسلام نے عورت کے مقام و مرتبہ کو اتنا بڑھادیا کہ اس کی تربیت اور پرورش کرنے والے کو جنت کی ضمانت دی گئی اور بیٹی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا گیا۔

عورت کا مرتبہ بحیثیت انسان:

عورت پر اسلام کا سب سے حسین احسان یہ ہے کہ جو سبوتاثر خواتین کے بارے میں پایا جاتا تھا اس تاثر کو اسلام نے نہ صرف بدل ڈالا بلکہ انسانی روح میں عورت کا مقام و مرتبہ اور اس کا اعلی معیار متعین کیا۔ اس کے سماجی، معاشی، تعلیمی، وراثتی غرض کہ ہر شعبہ حیات میں حقوق متعین کیے اور تمام درجات میں مرد کے برابر رکھا۔ یہاں تک ماں کا درجہ باپ سے بھی زیادہ رکھا۔ ماں سگی، سوتیلی یا رضاعی ہو سب کا درجہ یکساں ہے۔

حق نکاح:

نکاح عورت کا حق ہے یہ حق اسے اس کے دین اسلام نے دیا ہے وہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی کا ساتھی چننے کا اختیار رکھتی ہے اور عقد کے لیے اپنی پسند اور رضامندی ظاہر کر سکتی ہے جبکہ قبل از اسلام عورت کو اپنی پسند سے نکاح کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔ اسلام یتیم، بیوہ باندی مطلقہ کو شرعی حد کے اندر رہتے ہوئے نکاح ثانی کا حق عطا کرتا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ربانی ہے:

''واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف''[40]

(اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت (پوری ہونے) کو آپہنچیں تو جب وہ شرعی دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں تو انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے مت روکو۔)

جیسا کہ عرب قبل از اسلام اپنی عورتوں کو طلاق دے کر بار بار رجوع کرتے تھے جس کی وجہ سے خاتون آگے نکاح نہیں کر سکتی تھی۔ قرآن اسی بات سے منع کرتے ہوئے وضاحت کرتا ہے کہ طلاق دے چکے ہو تو عورتوں کو نکاح ثانی سے نہ روکو۔

حق مہر:

اسلامی قانون میں ازواجی زندگی کا ضابطہ مقرر کیا گیا ہے اور مرد کی حیثیت خاندان کے سربراہ کی ہوتی ہے اور اس حیثیت سے یہ اس کا فرض ہے کہ عورت کا ''حق مہر'' ادا کرے اور ادائیگی مہر میں کسی طرح کی حیل وحجت سے کام نہ لے کیونکہ ''مہر'' عورت کا حق ہے۔ یہاں تک کہ اسلام نے لونڈی سے عقد کرنے پر بھی مہر ادا کرنے کا حکم دیا ہے:

''فانكحوهن باذن اهلهن و اتوهن اجورهن بالمعروف''[41]

(پس لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں کی رقت سے نکاح کرو اور جو مناسب رواج ہے اسی طرح ان کا حق مہر ادا کرو۔)

مہر کی قرار کو پورا کرنا مرد کا فرض ہے اور مہر عورت کا حق ہے۔ اگر مرد اس عہد کو پورا نہیں کرتا تو عورت یہ حق رکھتی ہے کہ وہ خود کو اس سے روک لے یا پھر مہلت دے یا برضا رغبت معاف کر دے۔

حق نفقہ:

اسلامی قانون میں نفقہ عورت کا حق ہے اسلامی قانون نے زوجین کے مابین حقوق وفرائض کی واضح تقسیم کر دی ہے۔ خانگی زندگی کے فرائض کی ادائیگی کا ذمہ عورت پر ہے اور مرد کا کام ذریعہ معاش ہے تاکہ وہ اپنے اہل خانہ کی ضروریات کو پورا کر سکے جس طرح قرآن کریم کی آیت (الرجال قوامون على النساء) سے مہر وجود کا ثابت ملتا ہے اسی طرح اس سے نفقہ کا وجود بھی ثابت ہوتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

'' وعلي المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف''[42]

(عرف کے مطابق بیوی کا نفقہ اور لباس بچوں کے باپ پر واجب ہے۔)

اگر شوہر بیوی کا حق نفقہ ادا نہیں کرتا تو یہ عورت کا حق ہے کہ وہ قانون کا دروازہ کھٹکھٹائے۔ لیکن مقدار نفقہ کا تعین خاتون کی خواہش پر نہیں ہوگا بلکہ مرد کی استطاعت و ہمت پر طے ہوگا۔ اس بارے میں قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ ''علی الموسع قدرہ وعلی المتصیر قدرہ'' یعنی مال دار پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ہے اور مفلس پر اس کی اطاعت کے مطابق ہے۔

عورت کا حق خلع:

اسلام نے اگر خاوند کو یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ اپنی زوجہ سے نبھاہ نہیں کر سکتا تو وہ اسے طلاق دے سکتا ہے۔ اسی طرح زوجہ کو بھی یہ حق دیا ہے اس کا نباہ مرد کے ساتھ نہیں ہے تو وہ خلع کے ذریعے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ اس میں احکام شریعت کا اخلاقی پہلو پوشیدہ ہیں۔ اخلاقی پہلو یہ ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت طلاق یا خلع کا حق صرف آخری چارے کے طور پر استعمال کرے۔ تسکین خواہشات کی خاطر طلاق یا خلع کو کھیل نہ بنایا جائے۔ قرآن مجید میں ہے:

''ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتمو ھن شیئًا الا ان یخافا الا یقیما حدود اللہ فان خفتم الا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ''[43]

(تمہارے لیے حلال نہیں کہ جو کچھ تم خواتین کو دے چکے ہو اس میں سے واپسی کا تقاضا کرو یہ کہ شوہر اور زوجہ کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کے دین پر ٹھہر نہ سکیں گے۔ تو ایسی صورت میں جب کہ تم کو خوف ہو کہ شوہر بیوی اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے، کچھ مضائقہ نہیں اگر عورت کچھ معاوضہ دے عقد نکاح سے آزاد ہو جائے۔)

اگر زوجہ اپنے خاوند سے علیحدگی چاہتی ہے تو وہ بدل میں مرد کو کچھ دے کر آزادی حاصل کر سکتی ہے۔

حق وراثت:

عرب معاشرہ میں عورت کا وجود بذات خود ایک وراثت ہوتا تھا خاوند کے مرنے کے بعد عورت کے وجود کو وراثت کی طرح تقسیم کیا جاتا تھا۔ پھر اسلام کا سورج طلوع ہوا اور اس نے عورت کو اس کا جائز حق دیا بلکہ وراثت میں بھی حق دار ٹھہرایا اور خود قرآن میں اس کے حصے مقرر فرمائے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

''یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فان کن نسائً فوق اثنتین فلھن ثلثا ما ترک و ان کانت واحدۃ فلھا

النصف ''44

(اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ لڑکے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔ پھر اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں دو یا دو سے زیادہ تو ان کے لیے اس ترکہ کا دو تہائی حصہ ہے اور اگر وہ اکیلی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے۔)

اسی طرح عورت کو ماں ہونے کی حیثیت سے، بیوہ کا شوہر کے مال سے، بیٹی کا باپ کے مال سے حق وراثت حاصل ہے۔ اسلام نے ہر وارث کا حق مقرر کر دیا ہے تاکہ کسی بھی صنف کی حق تلفی نہ ہو۔

خلاصہ بحث:

یہودی اور حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار عورتوں کو ازلی گناہ گار قرار دیتے ہیں جبکہ دین اسلام نے مرد و زن دونوں کو خطاوار ٹھہرایا۔ ان دونوں مذاہب میں عورت وراثت، نکاح، طلاق میں کوئی حق رائے نہیں رکھتی مگر اسلام اسے یہ سارے حقوق عطا کرتا ہے۔ بائبل میں عورت کو فحاشی کا آلہ قرار دیا گیا ہے جبکہ اسلام اس کو گھر کی عزت اور ملکہ قرار دیتا ہے۔ اسلام نے عالم انسانیت کو مذہبی، اخلاقی، معاشرتی غرضیکہ وہ تمام حقوق عطا کیے جس کا وہ حق دار تھا اور ان حقوق کی تقسیم کے وقت اس نے مرد اور عورت کی تخصیص نہیں رکھی۔

خواتین کے حقوق کا تعین کرتے ہوئے قرآن میں تین نکات کا خاص دھیان رکھا گیا ہے ایک یہ کہ مرد کو حاکمانہ اختیارات محض خاندان کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لیے دیئے گئے ہیں۔ مرد ان سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ دوسرے یہ کہ عورت کو ایسے تمام مواقع بہم پہنچائیں جائیں جس سے فائدہ اٹھا کر وہ اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے معاشرے کی تعمیر و تمدن میں بہترین خدمات سرانجام دے سکیں۔ تیسرے یہ کہ عورت ترقی کامیابی کے جتنے مرضی زینے طے کرے اور کامیابی کے بلند درجوں پر پہنچ جائے مگر عورت ہونے کی حیثیت سے اپنی نسوانیت کی نفی نہ کرے ان تینوں امور کی وضاحت کرتے ہوئے اسلام نے عورت کو وسیع تمدنی معاشی، معاشرتی حقوق عطا کیے ہیں۔ ان حقوق کی حفاظت کے لیے اسلام نے آسمانی صحیفے میں قانونی ہدایات جیسی پائیدار ضمانتیں مہیا کی ہیں۔ ان کی نظیر دنیا کے کس قدیم و جدید نظام معاشرت میں نہیں ملتی ہے۔

دین اسلام انسانی حقوق کا قانون قدرت کا ودیعت کردہ ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی ناگزیر ہے۔ کوئی ادارہ یا ریاست ان حقوق کو کسی عذر کی بنا تبدیل نہیں کر سکتی ہے اور جو مقام عورت کو اسلام نے دیا ہے وہ تمام مذاہب عالم کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

References

1. Ehad Nama old, Bible, Kitab Padaesh Lahore Bible Literary society, 1992, Chpt: 3, Vol: 10, P-13
2. Khairullaha,s, F Qamos Al Kitab, Lahore mashi ishat khana, 2008, P-454
3. Broyde, Mitchael J, Marriage Sex and Family in Judaism, UK: Rowmand and Little Fidel, 2005, P-

245
4. Azad, molana, Abu-al-kalam, Muslman Orat, Sendheeka Academy, 2004, P-23
5. Ameer Ali, Syed Rooh-Islam, (Translator), Mohammad Hadi, New Delhi, Kashmir kitab ghar, Anees office printers, 1994, P-359
6. Kitab muqadas, Kitab istesna, chpt: 25, Vol: 5-7
7. Umree, Syed Jilal-ul-Din, Orat Islami Moashra ma, Lahore Islamic Publications, 2009, P-78
8. Shible, syed Suleman Nedvi, Seerat-ul-nabi, Lahore, Idara Islamyat, 1425(H), P-90
9. Muhammad Abdul Rehman, Orat Insanayt k aina may, Lahore: Manzoor Press, 1985, P-140
10. Ahmad Shibli, Muqaarnta al adyan, Maktaba alkhifta almisria, P-285
11. Abu al anain, Badran, Ahkam ul terkat wa almawarees, dar ul maaraf, 1964, P-16
12. Encyclopedia of Biblica, The Macmillan Company, Lodon: Macmillan and Co, Ltd, 1902, Vol:3, P-2728
13. Ibid, P-2229
14. Ahkam altarkaat almawarees, P-16
15. Zahoori, Abdul wahaab, Islam ka Nizaam-e-Hayat, Lahore: Idara Sqafat Islamia, 1982, P-174
16. Nadvi, Abdul Qayoom, Mulana, Islam awr Aoorat, Lahore: Albadar Publications, 1983, P-25
17. Kitaab Muqadas, Kitaab Istasna, Chpt: 25, Ayat: 5-7
18. Gutaoli Ban, Dr, Tamadan Arab, Mutarjam: Syed ali Bilgrami, Lahore: Maqbool Academy, 1936, P-373
19. Siddiqi, Sajad ur Rehman, Islam or Maghrabi Tehzeeb k masail, Karachi: Idara maaraf Islami, 1973, P-85
20. Mudoodi, Syed Abu alala, Parda, Lahore: Islamic Publications, 2014, P-25
21. Ehad Nama, Old, Bible, Chpt Padaiesh 3/6-13
22. Ehad Nama, Jadid, Karanthego k Nam polos Rasool ka Pehla Letter, 14/34-35
23. Kitab Muqadas, Kitab Istasna, Chpt: 25, Vol: 5-7
24. Ibid, 24/3-4
25. Madudi, Syed, Abu-Alala, Parda, P-25
26. Kitab Muqadas (old Ehad Nama) Padaiesh, 3/2/22
27. Abu-Abdullah, Muhammad Bin Ahmad Qurtabi, Aljamia Al Ahkam ul-Quran, Bairoot, Labnan, Dar Ahya, 1419 (H), P-253
28. Abu-Abdul Rehman, tarkih Maqdoom Kitab-Urdu, Barat, Libnan, Dar-Alfikr, 2003, 1/506
29. Al-Nahal: 57-58
30. Shbilee-Syed Salman Nedvi, Seerat-ul-Nabi, 4/297
31. Sahih-Bukhari, Kitab al talaq, Baroot: Dar ul Marfat, 1989, Hadith No: 4913
32. Abu-dawood, Sunan Abu Dawood, Kitab-ul-Talaq, 2/224
33. Trmazi, Muhammad Bin Esa, Jamia al Termazi, Kitab al Nika, Al Riaz: Dar ul Islam, 1999, Hadees No: 1128
34. Sunan Abu Daood, Kitab al tilaaq, Al Riaz, Dar ul Islam, 1999, Hadees No: 2195
35. Abu al Fida Ibn Kaseer Ismaeel, Tafseer Al Quran alkareem, Baroot, 1990, 1/510
36. Al Baqra:35
37. Al Baqra:228
38. Al Taqveer: 8-9

39. Sunan Abu Daood, Kitab Aladab, Hadees No: 5143
40. Al Baqra: 232
41. Al Nisa: 25
42. Al Baqra: 233
43. Al Baqra: 229
44. Al Nisa: 11